ABSTRACT

Travelogues of Naqashbandi Scholars of Sindh.

Sindh's Literature emanating from Khangahs has also been enriched by travelogues authored by writers of other sects (Silsilas) including Naqasgbindia.
Travelogues authored by Naqashbandi Scholars have been reviewed in this article; these scholors include Maulana Mohammad Ishaque Jan Sarhandi, Mohammad Maqbool Ilahi, Dr. Gulam Mustafa Khan, Dr. Hafiz Munir Ahmed, Dr. Mazhar Baqa, Habibur Rehman Gabol and Tahir Naqashbandi.
These Travelogues have been written in fluent style, Using day to day vernacular indented with Persian and Urdu verses / couplets of choice to render them more readable.
These Travelogues are generally recordings of inner feeling, experience and inspiration on visits to holy places that has rendered them worth mentioning from literary point of view as well Khanqahi literature also aims at service to humanity. From this view point's also these travelogues stand apart from those of present day writers, belonging to other schools of thought.

ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش

سندھ کے نقش بندیوں کی سفرنگاری

سفرنامہ جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس میں سفر کے حالات قلم بند کیے جاتے ہیں۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے بقول ''سفرنامہ ایک طرح کی ''روداد' یا رپورتاژ'' ہے، جسے آپ بیتی کی ایک شکل کہا جاسکتا ہے۔''[۱] سفرنامے میں مذکورہ تینوں اصناف کی صفات پائی جاتی ہیں،مگر اِن تینوں خصوصیات میں سفر یا سیاحت کا ہونا لازمی امر ہے،بِنا سفر کے، یہ تینوں پہلو علاحدہ صنف تو کہلاسکتے ہیں،مگر سفرنامہ نہیں۔رپورتاژ (Reportage) فرانسیسی لفظ ہے،جس کے معنی رپورٹ کے ہیں۔اصطلاح میں چشمِ دید حالات وواقعات کی وہ رپورٹ، جس میں مصنف کا تخئیل، تحریر میں بصیرت افروز معنویت اور فکر انگیز فضا پیدا کردیتا ہے۔محمد حسن عسکری کے خیال میں رپورتاژ میں ہنگامی حالات پر اس طرح قلم اُٹھایا جاتا ہے، کہ وہ صحافت سے دور اور ادب کے قریب تر ہو۔[۲] اس تعریف سے پتا چلتا ہے کہ رپورتاژ کے لیے سفر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

بقول محمد اقبال سلیم گاہندری، ایک اچھے سفرنگار کے لیے ضروری ہے کہ:

> ''حالات وواقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کی اور گردوپیش کی پھیلی ہوئی دنیا کے رازوں کو جاننے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہو۔۔۔'سفر وسیلۂ ظفر' اُسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ ''مسافر'' اپنے سفر میں دوسروں کو بھی شریک

کرے، سفر میں دوسروں کو شریک کرنا، اس طرح ممکن ہے کہ تمام تجربات و مشاہدات کو اس طرح بیان کر دیا جائے کہ سفر نامہ پڑھنے والا ذہنی طور پر انھیں راستوں اور گذرگاہوں پر گام فرسا نظر آئے۔''[۳]

سفر نامے کا موضوع انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ وسماج سے متعلق معلومات ہے، اِس لیے اس کی اہمیت مسلم ہے۔ بقول محمد اقبال سلیم گاہندری: ''یہ واحد صنفِ ادب ہے، جس کا تقریباً تمام اہم معاشرتی علوم سے گہرا تعلق ہے۔ مؤرّخوں، سوانح نگاروں اور جغرافیہ دانوں نے اس صنف سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔''[۴]

قیامِ پاکستان کے بعد سندھ کے خانقاہی ادب میں مختلف سلاسل سے وابستہ افراد نے سفر نگاری میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان سلاسل میں ایک نقشبندی سلسلہ بھی ہے۔ چنانچہ اس مقالے میں نقشبندی سلسلے سے وابستہ افراد کے تحریر کردہ سفر ناموں پر مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے۔

(۱)

مولانا محمد اسحاق جان سرہندیؒ کا ''سفر نامۂ ایران''[۵] کا انتساب عبداللہ جان عرف شاہ آقا مجددی نقشبندیؒ کے نام ہے۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی آخری تصحیح خوانی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ نے کی تھی۔ انتساب کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ یہ انتساب موجودہ دور کی روایت کے مطابق مختصر نہیں ہے بلکہ اس میں صاحبِ انتساب سے اجازتِ سفر طلب کرنے کے ساتھ مصنف نے اپنے جیل جانے کا مختصر ذکر بھی کیا ہے اور جیل کے مہیب مناظر کا تذکرہ بھی۔ اس انتساب کا پس منظر یہ ہے کہ سفر نگار نے عبداللہ جان عرف شاہ آقا کو جیل سے ایک خط تحریر کیا تھا، اس کا جواب آپؒ نے فارسی میں دیا۔ جس میں اس قید کی حوصلہ افزائی فرمائی اور تحریر فرمایا کہ میں دیگر دوستوں اور عزیزوں کے برخلاف خوش ہوں کہ تم چوری کے مقدمے میں نہیں تبلیغِ دین کی خاطر گرفتار ہوئے ہو۔ یہ مجاہدین اور سلف صالحین کے لیے تمغۂ عزت رہا ہے۔ اس خط سے مصنف کو وہ حوصلہ ملا کہ وہ دنیاوی جاہ جلال کے خوف سے آزاد ہو گئے۔ یہ ولی کے کلام کی تاثیر ہے۔ جن لوگوں کی وجہ سے آپ جیل گئے تھے، جب آپ نے اُن سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا تو عبداللہ جانؒ نے منع فرما دیا۔ جسے سفر نگار نے تسلیم کیا۔ دشمنوں سے درگزر کا رویّہ رکھنا بزرگوں کی صحبت اور خانقاہی تعلیمات کے اثرات ہیں۔ یہ انتساب بھی آپ کے پورے سفر نامے کی طرح ادبی رنگ سے مرصّع ہے۔ اس میں فارسی اشعار کی شمولیت نے اس کے ادبی حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔

اس سفر نامے کے محرکات سفر نگار نے ''مقدمے'' میں بیان کیے ہیں؛ پہلا احباب کی پُر زور فرمائش اور دوسرا رفاہِ عام کی خاطر تحریر اس میں ایسی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو قارئین کے لیے مفید و معاون ہوں گی۔ اس کی افادیت میں اضافے کے لیے ۷۰ الفاظ پر مشتمل فرہنگ بھی دی ہے، جس میں پرانی اور نئی فارسی میں مستعمل الفاظ کے اردو معنی دیے گئے ہیں۔ سفر نامے کے آغاز ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفر نگار سیاحت کا رسیا ہے۔ اس بات کی تصدیق ان کے فرزند پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی نے بھی راقم سے فرمائی تھی۔ خود پیر اسحاق جان سرہندی نے بھی لکھا ہے کہ میری بیش تر زندگی سفر میں بسر ہوئی۔ گرمیوں میں ماؤنٹ آبو، کبھی بمبئی سے حیدرآباد دکھن چلا جاتا۔ آپ نے حجازِ مقدس کے چار اسفار اور ہندوستان اور عراق کے سفروں کا ذکر کیا ہے۔ آپ کا دوسرا سفر نامہ

''مجموعۂ منازل'' (مشرق وسطیٰ) کے علاقوں کے اسفار سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے اردو اکیڈمی سندھ کراچی نے ۱۹۷۴ء میں شائع کیا تھا۔

سفرنامے میں ایران کے مختلف شہروں کا بہ تفصیل ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں کے ماحول، موسم، معاشی حالات اور لوگوں کے رویّوں کو من وعن بیان کر دیا گیا ہے۔ آپ کو جو خوبی اور خامی نظر آئی، اُس کا اظہار بلا مبالغہ کر دیا ہے۔ سفر نگار نے جن علاقوں کے حالات پیش کیے ہیں، اُن میں سے بیش تر کی جغرافیائی معلومات کو بھی اس سفرنامے میں پیش کر دیا ہے۔ جس سے قاری کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ تہران کے بازاروں کی خوب صورتی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ ''یوں تو تہران میں سیکڑوں بازار (خیابان) ہیں جن کی نزاکت و دل فریبی ایسی ہے کہ ان کا بیان صفحۂ قرطاس پر نہیں لاسکتا۔''[۵] تہران کے صدر بازار ''اسلامبول'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''یہاں کی ایک ایک دکان اتنی جاذبِ نظر اور سامان سے پُر ہے کہ سیاح آگے قدم نہیں بڑھا سکتا۔ اس بازار کی مثال پاکستان یا ہندوستان پیش نہیں کر سکتا۔ اس میں رات کے ۱۱ بجے تک چہل پہل رہتی ہے اور تقوٰی شکن مناظر پیش آتے ہیں۔ حسن و جمال کی نیم عریاں جیتی جاگتی تصویریں منظرِ عام پر آتی ہیں، جس کے فقط تصوّر سے عقل باختہ ہو جاتی ہے۔''[۶]

اس سفرنامے میں مولوی اسحاق جان سرہندیؒ صرف ایک خشک مولوی صوفی کے روپ میں نہیں ہیں۔ جہاں کہیں ایسے تقوٰی شکن مناظر آتے ہیں، وہاں وہ بڑی خوبی کے ساتھ فارسی کے خوب صورت اشعار کا سہارا لے کر قاری کو شعر میں گم کر دیتے ہیں۔ یوں قاری کی اشتہا تسکین پا جاتی ہے۔ اس سفرنامے میں جو حسین مناظر سفر نگار نے دکھائے ہیں۔ اُن کے انداز بیان نے اس کے حسن میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ ایک منظر ملاحظہ ہو:

> ''اس دل کش ریسٹوران سے اٹھ کر فوّارے کے کنارے پر پھولوں کی مہک، چاندنی رات کی دل آویزی، چاند ستاروں کے مقابلے میں ہزاروں مصنوعی چاند ستارے ان کے مقابل معنوی و ظاہری حسن کا نظّارہ کر رہا تھا، کہ یکا یک سبز سرو کے سائے میں ایک سیاہ رنگ چادر اوڑھے ہوئے سرو کی طرح کھڑی ہوئی کوئی دل فریب صورت نظر آئی، سلام کیا، بیٹھنے کا اشارہ کیا، بیٹھ گئی۔''[۷]

یہ سفرنامہ ایران کا ہے۔ مگر سفر نگار کی واپسی براستہ افغانستان ہوئی تھی، اس لیے سفرنامے میں افغانستان کے علاقے ہرات، قندھار اور دیگر علاقوں کی تفصیلات بھی شامل ہیں۔

سفرنامے کا اسلوب ادبی حسن لیے ہوئے ہے، سفر نگار کا فارسی اور اردو شاعری کا ذوق اس قدر ہے کہ ہر چھوٹی سی چھوٹی بات پر اُن کے ذہن میں شعر اُترنے اور قرطاس کی زینت بن جاتے ہیں۔ فارسی کے اشعار کی تعداد شاید کتاب کے صفحات کے برابر ہوگی۔ اسی طرح اردو کے اشعار بھی برملا خوب ملتے ہیں۔

> ''یہاں پھولوں کی رونق اور فواروں کی زیب و زینت ہے۔ ایک خوش نما ہوٹل میں نازنینوں کی چہل پہل حسنِ متحرک کی صورت میں رواں دواں نظر آتی ہے۔ بے اختیار حافظ شیرازی کا یہ شعر یاد آیا۔

فغاں زین لولیانِ فتنہ پرور شوخ و شہر آشوب
چنان بردند صبر از دل کہ خوان یغمارا

میووں کی افراط، مکانوں اور مکینوں کی خوب صورتی وغیرہ دیکھ کر یہ بیت یاد آیا۔

اگر فردوس بر روے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است'' ۸

چھوٹے چھوٹے جملے ہیں۔ الفاظ کا انتخاب انتہائی موزوں ہے۔ عامیانہ ہے نہ عالمانہ، بلکہ یہ سادگی اور سلاست کے ساتھ ادبیت لیے ہوئے ہے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی تشبیہات اور علامت کا استعمال بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''دشمنوں نے ایذا رسانی کے اسباب مہیّا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر وہ بھول گئے تھے جو خدا چاہِ کنعاں میں ماہِ کنعان غروب کرتا ہے، وہی مصر کے افق پر بڑی آب و تاب کے ساتھ اس کو طلوع بھی کرتا ہے۔ اس نگہ دار نے میری بھی خوب نگہ داری کی۔'' ۹

(۲)

مولانا محمد اسحاق جان سرہندیؒ کا دوسرے سفر نامہ 'مجموعۂ منازل'' ۱۰ کا انتساب بھی سفر نامۂ ایران کی طرح عبداللہ جان عرف شاہ آقا مجددی نقش بندیؒ کے نام ہے، جو سفر نگار کے خالو ہیں۔ زیرِ بحث سفر نامہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے حالاتِ سفر پر مشتمل ہے۔ ان دونوں سفر ناموں میں واضح فرق ہے۔ جس کا مصنف کو بھی احساس ہے۔ اِس کا ذکر ''تعارف'' میں کیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ پچھلے سفر نامے میں ایک شوخی اور رنگینیٔ بیاں تھی، جب کہ اس سفر نامے میں مذہبی اور خانقاہی رنگ کا غلبہ ہے۔ مذہبی عنصر پچھلے سفر نامے میں بھی تھا مگر ''مجموعہ منازل'' میں دینی رنگ حاوی ہے۔ جس کی جھلک انتساب میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ انتساب میں صوفیانہ رنگ اور محبت کی جو کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ وہ ملاحظہ ہو:

''میرا ہر ایک عمل ایک خدا رسیدہ بزرگ صالح شخص کے قدموں پر نچھاور ہوتا ہے، مجھے یقین ہے کہ انھیں بزرگوں کی برکت سے میری ہر مشکلات حل ہو جائیں گی۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں را بخشند کریم'' ۱۰

انتساب میں بذریعہ خط دی گئی، اُس نصیحت اور دعا کا بھی ذکر ہے، جس میں کہا گیا تھا کہ ''آپ زبان میٹھی کریں، روزانہ آپ کو ایک نیا رفیقِ السّفر ملے گا جو وطنی رفیق سے بہ تر یارِ شاطر ہوگا نہ بارِ خاطر۔'' ۱۱ اور اِس دعا نے قبولیت کا شرف حاصل کیا۔ یہی انداز ''عرضِ حال'' میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس میں انھوں نے لوگوں کے اُس رویے کا ذکر کیا ہے کہ وہ سفری صعوبتوں پر سراپا شکایت ہو جاتے ہیں حتّا کہ سفرِ حج جیسی سعادت کے موقع پر بھی آنے والی مشکلات اور مصائب کا تذکرہ تمام عمر کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ مصنف سفر کا رسیا تو ہے مگر حرمین شریفین کے سفر میں اُن کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے:

ضعف سے گو ہے اُٹھانا مرا دشوار قدم
شوق کہتا ہے کہ ہے شہر نبی چار قدم

ماضی کی دشواریوں اور موجودہ سہولیات کا موازنہ کرتے ہوئے، ابنِ بطوطہ اور شیخ سعدیؒ کے مشکل ترین سفری حالات کو تصوّر میں لاتے ہیں، پھر اونٹوں پر حج کا ذکر کرتے ہوئے موجودہ ہوائی جہاز کے ذریعے آرام دہ سفرِ حج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اُس سفر میں اخلاص، محبت، ادب اور عقیدت تھی، جب کہ آج کے لوگ مستحقین کو دینے کی بجائے نمود و نمائش، خریداری اور اعلا ہوٹلوں میں رقم خرچ کرنے کے بعد اور حج کے فلسفے سے بے خبر پندرہ دن میں حاجی کا سابقہ حاصل کر لیتے ہیں۔

''چند نوادرات'' کے عنوان سے دو واقعات بھی درج کیے ہیں، دونوں ہی روح پرور اور عشق کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ''مرشدِ کامل'' کی سرخی میں اپنی بیعت کی تفصیل دی ہے۔ ''مزارات اولیا'' کے ضمن میں اپنی لاعلاج بیماری اور اس سے صحت یابی کی تفصیل دی ہے جو مزارِ اولیا کے طفیل حاصل ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ خانقاہی رنگ سفرنامے کے آخر تک موجود ہے۔ یہ کہیں نعتیہ کے شعر کی صورت میں ہے تو کہیں نماز کی ادائی کی صورت میں۔

یہ سفرنامہ مشرقِ وسطیٰ کے جن ممالک کے سفری حالات پر مشتمل ہے۔ اُن میں بیروت، دمشق، اردن، قاہرہ اور حرمین پاک شامل ہیں۔ اسحاق سرہندیؒ کے دونوں سفرناموں میں یہ خاصیت ہے کہ آپ نے جس علاقے کا بھی سفر کیا، وہاں کی بیش تر اہم معلومات کو قاری تک پہنچایا۔ یہ معلومات صرف علاقے کی حد تک ہی نہیں ہے بلکہ اس میں ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے کی سعی بھی نظر آتی ہے۔ تاریخ کے گزرے ہوئے واقعات معلوماتی ہونے کے ساتھ نصیحت آموز بھی ہیں:

> ''بیروت کی مسجدیں خوب آراستہ پیراستہ ہیں۔ ایک مسجد ''جامع الکبیر'' ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فتح بیوت کے وقت کلیسا کو تبدیل کر کے یہ مسجد بنوائی تھی، اس کے بعد اس مسجد کی تعمیر سلطان عبدالحمید نے ۱۲۶۱ھ میں کرائی تھی۔ مسجد بہت عالی شان اور وسیع ہے لیکن نمازی سست ہیں:
>
> مسجد تو بنادی پل بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
> من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا'' ۱۲

اس قسم کی عبارتیں پورے سفرنامے میں بکھری ہوئی ہیں۔ دمشق کی ایک بڑی مسجد، ''جامعہ امویہ'' کا تذکرہ کیا تو یہ بھی بتایا کہ یہ مسجد عہد ولید بن عبدالمالک کے زمانے میں ۹۶ھ میں بنائی گئی تھی۔ ۱۳ غازی صلاح الدین کے ذکر میں اُس واقعے کو پیش کیا ہے، جب جنگ کے دوران رچرڈ شاہِ انگلستان کا گھوڑا مر گیا تو غازی صلاح الدین نے اپنا گھوڑا اسے بھیج دیا۔ ۱۴ یہ عبارتیں نصیحت سے پُر ہیں۔

سفرنامے کے مقاصد میں مسافروں اور سیاحوں کو ان علاقوں کے بارے میں معلومات فراہم کر کے آسانیاں بہم پہنچانا بھی ہے۔ خانقاہی افراد کا اہم مقصد دوسروں کی مشکلات کو کم کرنا بھی رہا ہے۔ سفرنگار نے بھی ''تعارف'' میں سفر کو قلم بند کرنے کی یہی توجیہ پیش کی ہے۔ ۱۵

سفر کے دوران مختلف مواقع پر وہ حالات کا موازنہ دوسرے علاقوں کے حالات سے بھی کرتے ہیں۔ لبنان کی آبادی کے

رویّوں کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ: ''یہاں کے مسلمان عیسائیوں سے ایسے ہی تنگ تھے، جیسے ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں سے۔''۱۶ یا دمشق کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ''بیروت کی طرح یہاں بھی ریلوے لائن شہر کے آس پاس چکر لگاتی نظر آئی۔'' یا ''بیروت کے مقابلے میں یہاں اشیائے خوردونوش ارزاں ہیں۔''۱۷ قاہرہ کی ٹریفک کو رواں دواں دیکھ کر سفرنگار کو کراچی یاد آتا ہے، جہاں اس سے کم ٹریفک ہونے کے باوجود حادثات ہوتے ہیں۔۱۸

''مجموعہ منازل'' سفرنامے کا اسلوب حسبِ سابق ادبی رنگ لیے ہوئے ہے۔ بہت ہی کم غیر مانوس عربی اور فارسی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جیسے ہوائی اڈے کے لیے ''ہوائی مستقر'' بھی استعمال کیا ہے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی، وہاں اردو معنی بھی تحریر کر دیے ہیں۔ چند مثلاً: شام میں ''پیر'' کو ''شیخ'' کہتے ہیں۔۱۹ ''جگہ'' کو ''امارۃ''، ''جمرک یعنی چنگی'' کہتے ہیں۔''۲۰ ''کسٹم والوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ زمین دار کیا چیز ہے؟ میں نے جواب دیا کہ: انا من الفلاحین'' ''فلاح'' عربی میں کسان کو بھی کہتے ہیں اور اس کے معنی...'' چھٹکارا پانے والا بھی'' ہے۔''۲۱ ''اہرام کے لفظی معنی ہیں نہایت قدیم اور بوڑھی چیز''۲۲ جامعہ ازہر کے ذکر میں رقم طراز ہیں کہ ''ازہر بہ معنی ازہار (پھول) کے ہے۔''۲۳ اس طرح اور مثالیں بھی سفرنامے میں موجود ہیں۔ فارسی اشعار اس سفرنامے کی بھی زینت بنے ہیں جو اردو ترجمے کے بغیر ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ دے دیا جاتا تو فارسی سے نابلد قاری بھی اِن سے محظوظ ہو سکتے تھے۔ اسلوب کو ادبی اور مزید حسن عطا کرنے میں برمحل اردو اشعار کا استعمال بھی ہے۔۲۴ موقع کی مناسبت سے قرآنی آیات بھی بیان کی ہیں۲۵ مثلاً نثر کا نمونہ دیکھیے:

> ''یہ کیا۔۔۔اُف خدا۔۔۔! چالیس پچاس موٹریں رکی کھڑی ہوئی ہیں۔ چناں چہ ہم بھی ۳ گھنٹے برابر اس برف میں کھڑے رہے۔ مادام بے چاری کو سردی کچھ زیادہ ستا رہی تھی، مگر انسان بھی کیا عجیب شے ہے، اس ماحول میں بھی اپنی تفریح کی گنجائش نکال ہی لی۔ چنانچہ کچھ لوگ اپنی موٹروں سے نکل کر برف سے کھیلنے لگے۔ برف کے گولے بنا بنا کر ایک دوسرے کو مارتے تھے، ایک حسینہ اپنے گیسوئے آبدار کو اور بھی تابدار کر کے موٹر سے نیچے اُتری اِٹھلاتی ہوئی آگے بڑھی، اس کا خیال تھا کہ جیسے میں ہمیشہ قیامت ڈھاتی ہوں، آج بھی قیامت برپا کر دوں گی، مگر یہاں ایک اور قدرتی قیامت سے مقابلہ تھا۔ برف باری کی وجہ سے حسینہ کی لپسٹک کا ہتھیار بیکار ہونے لگا، پاؤڈر بہہ گیا، میک اپ کا سارا مورچہ ڈھے گیا، آخر پسپا ہو کر جو بھاگی تو اب قدرت کی یہ ستم ظریفی کہ اس کو اپنی موٹر ہاتھ نہ آئے۔ سر کے بالوں میں برف نے بڑھاپے کی سفیدی پھیر دی، آخر ایک نوجوان نے رحم کھا کر اس کو سہارا دے کر اس کی موٹر تک پہنچایا۔''۲۶

(۳)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مقصود الٰہی شیخ بندی کا سفرنامہ ''زیارتِ حرمین شریفین'' اپنے نام ہی سے خبر دے رہا ہے کہ یہ مسلمانوں کے دو مقدس ترین مقامات کے سفر کی روداد ہے۔ یہ وہ سفر ہے، جس کی خواہش ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔ سفرنگار نے اپنے مریدین کے ساتھ فروری ۱۹۹۳ء رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل کی تھی۔ انھوں نے دوسرے مسلمانوں کو آسانیاں

پہنچانے کی خاطر، اِس سفر کی روداد کو قلم بند کر دیا ہے۔ اس سفر نامے میں عمرے کے بارے میں بہت سی اہم معلومات کو عام فہم انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ سفر نامہ زائرینِ عمرہ کے لیے انتہائی مفید ہے۔ دوسری خاص بات اس سفر نامے کی یہ ہے کہ اس میں محبت الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کی وہ کیفیات دکھائی دیتی ہیں، جنھیں پڑھ کر عمرہ کی عبادت میں ذوق وشوق بھی شامل ہو جاتا ہے۔ بقول محمد فاضل نقش بندی کے ''اس سفر نامے میں روحانی اصلاح کے ساتھ حج وعمرہ پر جانے والے کے لیے تربیت اور معلومات بھی موجود ہے۔''۲۷

سفر میں کون سا سامان ضروری ہوتا ہے اور کون سا پریشانی کا سبب بن جاتا ہے۔ اِس سفر نامے میں ان کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ جب سفر نگار جدّہ ائیر پورٹ پہنچے تو اُن کے بیگ میں موجود شہد کی شیشے کی بوتل ٹوٹ گئی تھی۔ جسے باہر نکالتے ہوئے، شیشہ انگلی میں لگ گیا اور کافی دیر تک خون نکلا۔ اس سے یہ بات تجربے میں آ گئی کہ سفر کے دوران شیشے کا سامان بیگ میں نہیں رکھنا چاہیے۔۲۸ اسی طرح مدینے شریف میں چشمے نہ لانے کی وجہ سے سفر نگار اور ان کے ساتھی کو تلاوت میں تکلیف اُٹھانی پڑی،۲۹ یعنی کچھ چھوٹی اشیا بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، جنھیں سفر میں ساتھ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

مقصود الٰہی صاحب نے عمومی سفر ناموں کی طرح جہاں ضرورت محسوس کی، وہاں علاقے کے بارے میں تاریخی معلومات بھی فراہم کی ہیں۔ جیسے کعبے کی تعمیر جن دس مواقعوں پر ہوئی، انھیں اختصار سے بیان کر دیا۔۳۰ اسی طرح حجرِ اسود کے فضائل اور اس ضمن میں فقہاے اسلام کی تصریحات کو بھی قلم بند کر دیا گیا۔۳۱ ''مسجدِ قبا'' تک پہنچنے میں دشواری محسوس ہوئی، تو اس کا راستا یوں دکھایا:

> ''مسجدِ قبا جانے کے لیے مسجدِ نبوی ﷺ کے دائیں طرف موجود روڈ پر بنے ہوئے پُل کے نیچے سے پار چلے جائیں، تو یہ روڈ سیدھا مسجدِ قبا جاتا ہے۔''۳۲

اس سفر نامے میں سفر نگار کی عاجزانہ طبیعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مقصود الٰہی صاحب خود کو عاجز لکھتے ہیں، لیکن یہ لفظ صرف بطورِ رسم یا دکھاوے کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس کا عملی اظہار سفر نامے میں جا بجا ملتا ہے۔ سفر کے آغاز میں جب میجر (ر) نیازی نے اُن سے کہا کہ مَیں پورے سفر میں آپ کا غلام بن کر رہوں گا تو اس پر آپ کا ردِّ عمل یہ تھا کہ ''عاجز کا دل شرم کی وجہ سے پانی پانی ہو گیا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور دل میں خیال آیا کہ:

سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی''۳۳

پھر سفر نگار نے کہا کہ مجھے شرمسار نہ کریں، کیوں کہ میں خود غلام بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ اسی طرح آبِ زم زم پیتے وقت بھی آپ پہلے گلاس بھر کر میجر (ر) مشہود خان نیازی کو پیش کرتے، بعد میں وہ آپ کو آبِ زم زم دیتے۔ اس کی توجیہ آپ نے یہ بیان کی کہ ایک حدیث کے مفہوم کے مطابق قیامت میں ایک گناہ گار شخص، دنیا میں کسی نیک شخص کو پانی پلانے کی وجہ سے اُس کی درخواست پر بخشا جائے گا۔ یعنی خود کو گنہ گار سمجھنا اور مرید کو خود سے زیادہ نیک سمجھنا، کاش موجودہ دور کے مشائخ اس نکتے تک پہنچ سکیں۔

سفر نامے کے مختلف پہلوؤں کو عنوانات دے کر فہرست میں درج کیا گیا ہے، اس سے سفر نامے کے موضوعات تک پہنچنے میں قاری کو سہولت ہو جاتی ہے۔ جہاں تک تحقیقی انداز کا تعلق ہے، کہیں قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے دیے گئے ہیں اور کہیں نہیں دیے گئے، اس طرح عربی اور دیگر زبانوں کے متن کے ساتھ کہیں اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے اور کہیں اس سے اعراض برتا ہے۔

لیکن سفرنامے کا اسلوبِ بیان دل چسپ اور پرکشش ہے۔ اشعار کا استعمال بھی مختلف مقامات پر کیا گیا ہے، بعض جگہ اشعار جذبات کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں مگر فنّی لحاظ سے کم زور ہیں۔ سفرنامے کا اسلوب دیکھیے۔ غارِ حرا پہنچنے کے بعد لکھتے ہیں:

''خدا شاہد ہے، یہاں پہنچتے ہی تھکاوٹ بالکل ختم ہوگئی، جیسے کہ سفر کیا ہی نہ ہو، اللہ کے فضل وکرم سے ان پتّھروں کو چومنے کی توفیق بھی حاصل ہوئی، جن پر آقا مدنی سرکار ﷺ کے دستِ مبارک مَس ہوئے تھے اور عاجز اس پتّھر پر سر رکھ کر تھوڑا لیٹ گیا، جہاں ہمارے پیارے نبی ﷺ آرام فرمایا کرتے تھے، اس پاک جگہ پر، ان پتّھروں پر آنکھیں مَلیں اور جسم رگڑا، جہاں پر میرے آقا ﷺ کا جسم مبارک لگا ہوگا اور پھر عاجز نے دوستوں سے عرض کی کہ یہاں مراقبہ کریں، کیوں کہ یہی وہ جگہ ہے، جہاں پر میرے پیارے رسول ﷺ مراقبہ فرمایا کرتے تھے۔''۳۴

اس سفرنامے کو پہلی مرتبہ اسلامی روحانی مشن پاکستان کراچی نے ۱۹۹۶ء، دوسرا ایڈیشن نومبر ۱۹۹۷ء اور بارِ سوم کو اکتوبر ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ اشاعت میں سفرنامے کی اہمیت کے سبب، اس بات کو پیشِ نظر رکھا ہے کہ اسے کم ضخامت کے ساتھ ارزاں قیمت میں قاری تک پہنچایا جائے۔ ابتدا میں یہ سفرنامہ اس وجہ سے زیادہ ضخیم تھا، کہ اس سفرنامے میں ہندوستان، پنجاب اور گوادر کے سفرنامے بھی شامل تھے، جنھیں اب الگ شائع کر دیا گیا ہے۔۳۵

(۴)

حافظ منیر احمد خان نے ''سفرنامے'' کے عنوان سے جو کتاب ترتیب دی ہے، اس میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کے مختلف اسفار کے انتہائی مختصر حالات، اس کے بعد ڈاکٹر سراج احمد خانؒ کے سفرنامہ شمالی کوہستان اور خود اپنے تین مختلف اسفار کی روداد قلم بند کی ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کے (سفرنامے) نومبر ۱۹۳۵ء سے ۱۹۷۱ء تک کے ہیں۔ آپ کے یہ سفر تفریحی غرض کے نہیں تھے بلکہ بیش تر اسفار میں علمی، اصلاحی، روحانی، تحقیقی اور تبلیغی عنصر پایا جاتا ہے۔ یہ مختلف ممالک اور مختلف شہروں کے سفر ہیں، اس میں دورانِ سفر پیش آنے والے یا کسی اور مقام پر رونما والے واقعہ کو تحریر کر کے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان سفروں میں جو علمی معلومات سامنے آئیں، انھیں بھی لکھ دیا گیا ہے۔ سفرنامے کی ابتدا ہی بڑی دل چسپ انداز میں ہوتی ہے۔ جسے سُن کر آج بھی حیرت ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

''علی گڑھ سے آگرہ کئی مرتبہ ریل سے جا چکا تھا، اب خیال ہُوا کہ سائیکل پر جاؤں۔ مختار علی اور صالح بھائی کو ساتھ لے کر ۹ نومبر ۱۹۳۵ء کو ساڑھے گیارہ بجے رات ہم لوگ روانہ ہوئے۔''۳۶

یہی نہیں آگے جا کر ایک ایسے عاشق کا ذکر بھی ہے، جس کا نام سید شاہ سبحان احمد تھا وہ حج کی سعادت کو جاتے ہوئے علی گڑھ سے گزر رہے تھے۔ وہ رات میں ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔۳۷ ان اسفار میں سفرنگار نے بہت سے بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، بہت سے مزارات کی زیارت فرمائی، بہت سے کتب خانے، کم یاب کتب اور مخطوطات کو دیکھا۔ بہت سے شہروں کی سیر کی اور پھر ان سب کو تحریر فرما دیا۔ اس سفرنامے کا انداز تحریر اختصاری ہے یعنی چھوٹے چھوٹے پیراگراف اور چند جملوں میں معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔ پھر کسی نئے پہلو پر اسی انداز میں تحریر کر دیا:۔

''۳۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو الہ آباد گیا، اور محترم ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (۱۲۲ ایف میئو روڈ) کے یہاں قیام کیا، دوسرے دن پٹنہ گیا اور وہاں خدا بخش لائبریری میں ایک ہفتہ مطالعہ کیا۔ بمبئی سے پروفیسر نجیب اشرف ندوی صاحب پٹنہ آئے ہوئے تھے۔ مولانا مسعود عالم ندوی صاحب نے اُن کے ساتھ مجھے بھی افطاری میں مدعو کیا۔''۳۸

ایک اور موقعے پر کچھ اکابرین کا ذکر کیا ہے۔

'چہار شنبہ ۲۲، اپریل ۱۹۴۱ء کو جبل پور سے اٹاری پہنچا، وہاں بھائی عبدالحمید صاحب ناگ پور یونی ورسٹی کے ایم۔اے (فارسی) امتحان سے فارغ ہو کر پہنچے تھے، مل گئے، ان کے ساتھ دہلی آیا۔ وہ دوسری گاڑی سے جالندھر چلے گئے، میں سیدھا لاہور (بارہ بھٹنڈا) ۲۴ اپریل کو پہنچا۔ جبل پور سے اٹاری، دہلی بھٹنڈا کے راستے سے لاہور کا فاصلہ ۹۴۸ میل ہے۔ ۱۶ روپے تین آنے کرایہ تھا۔ لاہور میں نیلا گنبد کے قریب نور محل ہوٹل میں قیام کیا۔ پرنسپل محمد شفیع صاحب، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب اور پروفیسر حافظ محمود شیرانی صاحب سے ملاقات کی۔ شیرانی صاحب کے مکان پر نادر سکّے اور مخطوطات دیکھے۔''۳۹

سراج احمد خانؒ دوسرا سفر نامہ کا ہے جو شمالی علاقہ جات سے متعلق ہے۔ ابتدا میں قیام پاکستان اور اس کے حسن پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا ہے اور مشورہ دیا گیا ہے کہ پاکستان کے علاقوں کی سیاحت ضرور کرنی چاہیے۔ یہ سفر نامہ ۱۸/اگست ۱۹۹۶ء دوپہر ڈھائی بجے سے شروع ہو کر صبح ۵، ستمبر بدھ، ساڑھے آٹھ بجے صبح کو ختم ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی ہر اہم بات کو اس میں قلم بند کر دیا گیا ہے۔ سراج احمد نے سفر کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔ راستے میں کہاں کہاں قیام کیا، کس میزبان نے کن اشیا سے تواضع کی، راستے میں کیا کیا پیش آیا، پورے سفر نامے کو جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ علاقے کے خوب صورت مناظر کی پرکشش تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔

خانقاہی ادب کا ایک مقصد خدمتِ خلق بھی ہوتا ہے، اس سفر کے اہم نکات کو سراج احمد خانؒ نے آخر میں ''تجربہ اور تجزیے'' کے عنوان سے پیش کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ اگر فیملی کے ساتھ سفر کرنا ہو تو شام تک سفر کریں، کیوں کہ آگے راستہ خطرناک اور سوائے خشک پہاڑ اور گدلے دریا کے کچھ نہیں ہے۔ اسکردو یا گلگت جانا ہو تو پنڈی سے ہوائی جہاز پر جائیں۔ اپنی گاڑی کو ٹرک پر بک کرا کے بھیجا جا سکتا ہے۔ اس کے کرائے اور پہنچنے کے دن بھی تحریر کیے ہیں۔

اس سفر نامے کے محرکات کا تذکرہ سفر نگار سراج احمد خانؒ نے آغاز میں کیا ہے۔ ایک مقصد تو شمالی علاقہ جات کے بارے میں حالات سے آگہی یعنی اُن علاقوں کی ثقافت، تہذیب وتمدن، رسم ورواج سے واقفیت حاصل کرنا تھا، یہی نہیں، ان سفر ناموں میں اس علاقے کے دینی اور سیاسی مسائل اور حسنِ اخلاق سے واقف ہونا بھی شامل تھا۔ ان کے علاوہ بزرگان دین سے ملاقات اور ان سے رہ نمائی حاصل کرنا بھی اس سفر کا مقصود تھا۔

حافظ منیر احمد کا پہلا سفر نامہ مسکین پور شریف، ملتان، دِیر، تالاش، پنڈی اور لاہور کے سفر سے متعلق ہے۔ دوسرا سفر نامہ پھلن شریف، مسکین پور شریف، احمد پور شرقیہ جب کہ ملتان اور تیسرا سفر نامہ سندھ کے مختلف شہروں اور قصبوں کے مطالعاتی دورے پر

مشتمل ہے۔ پانچوں سفرنامے اپنی جگہ پر افادیت کے حامل ہیں۔اور یہ کہ روحانی، دینی، علمی، سماجی اور تاریخی اعتبار سے بھی۔

مذکورہ تینوں سفرنامے دل چسپ اور معلوماتی ہیں۔ پہلے سفر کا آغاز ۱۷، مارچ یا ۱۸، مارچ ۱۹۹۰ء سے ہُوا۔ کیوں کہ سفرنگار نے اوّل تحریر فرمایا: ''عاجز نے ۱۸، مارچ ۱۹۹۰ء کو دادا ابا کی دعاؤں کے ساتھ اس سفر کا آغاز کیا۔'' پھر آگے جا کر لکھا ہے کہ ۱۷، مارچ بروز ہفتہ کی شب حیدرآباد سے چناب ایکسپریس سے روانہ ہوئے۔[۴۰] یہ سفر ایک ہفتے پر مبنی تھا۔اس سفرنامے میں بھی علماء ومشائخ سے ملاقات اور مزارات کی زیارت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ملتان کے سفر میں شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے فرزند صدرالدینؒ اور پوتے شاہ رکن عالمؒ کے مزارت کا تذکرہ کیا ہے۔اوچ شریف میں نورمحل کا ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں نقشبندی سلسلے کے مشہور بزرگ مظہر جانِ جاناں کے تبرکات ہیں۔

دوسرا سفر ۲۰ مارچ ۱۹۹۵ء پیر کی رات ساڑھے نو بجے شروع ہوکر ۲۴ مارچ ۱۹۹۵ء کو ختم ہوا۔ اِس سفر کا آغاز بھی حیدرآباد سے ہُوا تھا، سولہ ہزار روپے میں ائیر کنڈیشن کوچ کرائے پر لی گئی تھی۔ان معلومات سے ہمارے ملک میں مہنگائی کی بڑھوتری کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ بیالیس افراد کا کاروان تھا، جن میں کراچی سے تعلق لکھنے والے افراد بھی شامل تھے، ان کی فہرست بھی سفرنگار نے تحریر کی ہے۔سفر کے دوران جہاں جہاں قیام وطعام اور ادائی نماز کی، وہاں کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ان سفرناموں کے مطالعے سے گروہ کی صورت میں سفر کرنے والوں کے لیے بہت آسانیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اگر اہلِ علم اپنے تجربات قرطاس کی زنیت بنادیں تو اس سے آنے والی نسلوں کو بہت فائدہ ہوسکتا ہے، یہ کام خانقاہ سے متعلقین کرتے رہے ہیں۔

تیسرا سفرنامہ تحقیقی نوعیت کا ہے۔اس سفرنامے میں سندھ کی بڑے اور اہم کتب خانوں کے بارے میں معلومات ہیں۔اس میں سفرنگار نے مختلف شخصیات سے ملاقات کیں اور کتب خانے کے دورے کیے اور اپنے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کا لوازمہ جمع کیا، ساتھ ساتھ مختلف پہلوؤں پر اپنی رائے بھی دی۔ مثلاً جب پیر جو گوٹھ کے مدرسے اور کتب خانے کے انتظامات کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

> ''سیاست کے ساتھ ساتھ پیر صاحب پگارا کا دینی کام دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موصوف مدرسے اور لائبریری پر سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔کاش دوسرے پیر اور وڈیرے بھی اس طرف توجہ دیں تو دین کے تحفظ اور فروغ کا بڑا کام ہوسکتا ہے۔''[۴۱]

حافظ منیر احمد خان کا اندازِ تحریر بھی ہر قسم کے تکلف سے پاک ہے۔بات کو سادگی اور عام فہم انداز سے بیان کرتے ہیں۔ان کی تحریر میں روزمرّہ زبان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جیسا دیکھتے ہیں، اسی طور بیان کردیتے ہیں:

> ''شاہ محمد شاہ کی ذاتی لائبریری میں مختلف موضوعات پر کتابوں کا انتخاب اچھا ہے، ان کی لائبریری میں ۱۹۲۰ء سے شائع شدہ کتابوں کا قیمتی ذخیرہ موجود ہے، بالخصوص ۱۹۴۰ء سے ہندوستان کے مختلف شہروں سے شائع ہونے والے دینی رسائل کے فائل، شاہ صاحب کے ہاں بہتر حالت میں موجود ہیں، قرآن مجید کے قلمی نسخے بھی شاہ صاحب کے ہاں محفوظ حالت میں موجود تھے، جو دس بارہ تھے، بعض نسخے بہت خوب صورت تھے۔''[۴۲]

اس کتاب کو گاباا یجوکیشنل بکس، کراچی نے جنوری ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔

(۵)

خانقاہوں سے تعلق رکھنے والے سفر ناموں میں ایک سفر نامہ ''یادگار سفر'' ہے، جسے **مظہر بقا** نے قلم بند کیا ہے۔ اس سفر نامے کو تحریر کرنے کی خاص وجہ تو کتاب میں بیان نہیں کی گئی مگر لوازمے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا مقصد قاری کو مختلف ممالک کے بارے میں اہم اور ضروری معلومات فراہم کرنا ہے۔ کیوں کہ یہ سفر نامے مسلم ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے مذہبی معلومات اور نقطۂ نظر نمایاں ہے۔ اس سفر کا ایک پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ مظہر بقا سفر کرنے کے شوقین رہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے حکومت کی اجازت کے بغیر قاہرہ سے ''سانت ترین'' کا سفر کیا۔ (۴۳) اس سیر و سیاحت کے شوق کا تذکرہ آپ نے پیش لفظ میں بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''آغازِ شباب ہی سے سیر و سیاحت کا شوق گویا میرے خمیر کا ایک جزو ہے۔'' (۴۴) اس شوقِ سفر کو مہمیز یوں لگی کہ آپ کو سفرِ حیات کی ہم سفر بھی ایسی ملیں جو سفر کی خوگر تھیں اور اپنے والد کے ہم راہ کئی سفر کر چکی تھیں۔ مکّے اور مدینے کے سفر نامے میں اس کی تعمیرِ جدید کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ قاری کے ذہن میں اُٹھنے والے سوالات کے جوابات بھی سفر نگار نے دیے ہیں۔ مثلاً تعمیرات کے سلسلے میں جو دکانیں اور مکانات منہدم کیے گئے، اُن کے بارے میں قاری سوچتا ہے کہ جن کی املاک ختم کی گئی ہیں، کیا ان کی تلافی بھی کی گئی یا نہیں؟ اس سوال کا جواب مظہر بقا یہ دیتے ہیں:

''سعودی حکومت جو مکان بھی منہدم کرتی ہے، اس کا اتنا گراں قدر معاوضہ دیتی ہے کہ بعض لوگ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ان کا مکان منہدم کر دیا جائے۔'' (۴۵)

یہی نہیں تعمیرات کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر ہے کہ حرمین شریفین کی توسیع کا جو کام کیا ہے، شاید آئندہ پچاس سال تک بھی اس میں اضافے کی گنجائش نہ ہو۔ (۴۶) مکہ، مدینہ اور مدائن صالح جو مدینے سے ساڑھے سات سو کلو میٹر دور ہے، ان علاقوں کے واقعات صرف تین صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس میں معلومات کے ساتھ، وہاں کے محافظوں کے عمدہ رویّے کا بھی تذکرہ ہے، جنھوں نے سفر نگار کی پھنسی ہوئی گاڑی نکالنے میں مدد کی تھی۔ سفر نامے میں اہم مقامات کی رنگین اور سادہ تصاویر بھی دی ہیں، جس نے اس کتاب کی اہمیت اور دل کشی میں اضافہ کیا ہے۔

یہ کتاب بیک وقت کئی ممالک اور شہروں کے سفری حالات پر مشتمل ہے۔ جن میں مکّہ، مدینہ، خیبر، مصر، عراق، شام (سوریا)، اردن، ترکی، امریکا، کینیڈا، انڈیا شامل ہیں۔ سفر نامے کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ہر سفر کی تاریخ اور سَن بھی دیا گیا۔ جس سے سفر نامے تاریخی اہمیت کے حامل ہو گئے ہیں۔ ان سفر ناموں سے پتا چلتا ہے کہ مذکورہ سال میں اُس ملک یا علاقے کی کیا صورتِ حال تھی۔ ان سفروں میں صرف جو کچھ دیکھا، وہی بیان نہیں کیا ہے بلکہ کئی تاریخی حقائق پر بحث بھی ملتی ہے۔ مصر میں مسجدِ سیدنا حسین ؓ کے بارے میں تاریخ کے پروفیسر شلتوت کی یہ رائے پیش کی ہے کہ یہاں امام حسینؓ کا سر مبارک دفن ہے، اس رائے کے مخالفوں کا تذکرہ کر کے دلیل میں ابن تیمیہؒ کے فتووں کا تذکرہ کیا، پھر اپنی یہ رائے بھی دی کہ اگر یہ بات درست ہوتی تو اہل تشیّعہ بھی اسے تسلیم کرتے اور اس جگہ کو اپنے اختیار میں رکھتے۔ (۴۷) حال ہی میں یعنی ۲۰۱۰ء کے دسمبر میں ڈاکٹر پروفیسر صلاح الدین ثانی

مصر گئے تھے تو انھوں نے راقم کے سامنے ایک محفل میں بتایا کہ اہل تشیّعہ وہاں جاتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں۔اسی طرح مصر میں محمد بن الحنیفہؒ کے مزار پر بھی وہاں کے پروفیسر کی اختلافی رائے کو تحریر کیا ہے۔۴۸ مصر کے حوالے سے حضرت صالحؑ کی قبر انور پر بھی آرا دی گئی ہیں اور سفر نگار نے ابنِ تیمیہؒ کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ آپ ﷺ کا مزارِ مبارک مدینہ اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاق، حضرت یعقوبؑ اور ان کی ازواج کی قبور انور الخلیل میں ہیں۔باقی کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ان سفروں میں سفر نگار کا مذہبی نقطۂ نظر بھی ملتا ہے۔جس میں اعتدال و توازن ہے۔مصر میں امام شافعیؒ کی مسجد میں عشا کی نماز میں، حنفی مسلک پر ہونے کے باوجود شافعیؒ کے طریق پر دو رکعت پر سلام پھیر کر تیسری رکعت مستقل تحریمہ وسلام کے ساتھ ادا کی۔جس طرح امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی مسجد میں فجر کی نماز میں دعائے قنوت کو ترک کر دیا تھا جو شافعیؒ کے نزدیک واجب تھا۔ اس واقعے سے خانقاہی مسلک کے لوگوں کی اعتدال پسندی اور محبت کا اظہار ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ یہ دین میں تفرقے اور شدت کے قائل نہیں ہیں۔یہ رواداری، بھائی چارے اور انسانیت کے قائل ہیں۔

خانقاہیت کا رنگ پورے سفرنامے میں جا بجا نظر آتا ہے کہ سفر نگار جس علاقے میں بھی تشریف لے جاتے، وہاں کے مزارات کی زیارت کرتے اور فاتحہ پڑھتے۔مزارات کی زیارت کے دوران اپنی آرا بھی قلم بند کرتے ہیں۔مصر میں مسجد رفاعیؒ کے صحن میں شیخ احمد کبیر رفاعیؒ کے مزار اور شاہ فاروق اور شاہ ایران کی قبر کے بارے میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہوں کی قبروں پر کوئی بھولا بھٹکا پہنچ جاتا ہے اور بغیر فاتحہ کے آجاتا ہے۔جب کہ شیخ رفاعیؒ کے مزار پر ہجوم رہتا ہے۔فقیری اور شہنشاہی کا یہ فرق بھی باعثِ عبرت ہے۔۴۹ دورانِ سفر اہم واقعات یاد آئے یا پیش آئے، اُن کا تذکرہ کر کے بھی قاری کی معلومات میں اضافہ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔حضرت سلمان فارسیؓ اور جابر بن عبداللہؓ کے مزارات پر حاضری دی تو محمود سلطانہ کے سفرنامے کا تذکرہ کیا، جس میں ان کے جسدِ خاکی کی منتقلی کا نور پرور ذکر ہے۔اس منتقلی کو لاکھوں افراد نے ٹی وی اسکرین پر دیکھا تھا۔۵۰ اس سفرنامے کی اصل عبارت **"ہمہ قرآن در شانِ صاحب القرآن"** اردو سندھی میں دی گئی ہیں۔۵۱ اسی طرح اردن کے سفر میں ۱۸، اگست کو صدر ضیاالحق کے طیارے کو حادثہ پیش آیا، اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔۵۲

مظہر بقاؒ کا اسلوب ادبی چاشنی لیے ہوئے ہے، وقت ضرورت اشعار بھی شامل کیے ہیں۔لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔۵۳ زیرِ بحث سفرنامے کے اسلوب میں ایسی روانی ہے جو قاری کو مطالعہ میں منہمک رکھتی ہے۔پورے سفرنامے میں معلومات، واقعات اور تاثرات کو، اِس خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے کہ جس کی وجہ سے دل چسپی کا عنصر موجود رہتا ہے، یہی اسلوب ان کی خودنوشت ''حیاتِ بقا'' میں بھی موجود ہے۔سفرنامے کا نثری نمونہ ذیل میں پیش ہے:

> ''کبھی کبھی اپنے نصیب کا خیال کرتا ہوں تو زبان رشک سے اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں کہ آٹھ سال سے (ان سطور کے لکھتے وقت) مکّہ مکرمہ میں ملازمت کی وجہ سے دولت بھی قدموں میں ہے، مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران تقریباً ہر روز بیت اللہ کا دیدار بھی میسّر ہے اور ہر ایک دو ماہ بعد مدینہ منورہ کی زیارت بھی۔مکہ اور مدینے کے وہ مقامات، جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت ہے، ان میں سے شاید ہی کوئی مقام بچا ہو، جس کی میں نے

زیارت نہ کی ہو۔جبلِ نور اور جبلِ ثور پر چڑھ کر غارِ حرا اور غارِ ثور کی زیارت بھی کی اور اب بڑھاپے میں اللہ نے شجرۂ موسٰی ،جبلِ موسٰی اور طوٰی کی وادیٔ مقدّس کی زیارت بھی کرادی اور زندگی رہی تو ابھی اور نہ معلوم کیا کیا دیکھنا مقدّر ہے۔''۵۴

(۲)

ڈاکٹر پروفیسر مقصود الٰہی شیخ ہندی کا سفر نامہ ''سفر نامۂ ہندو پاکستان''، تبلیغی اسفار کی روداد ہے،مگر اس سفر نامے میں صرف تبلیغی اور صوفیانہ پہلوؤں ہی کو پیش نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس میں سفر ناموں کی کئی خاصیتیں بھی ہیں،جن علاقوں میں سفر نگار اور اُن کے ساتھی گئے ، وہاں کے حالات سے بھی قارئین کو آگاہی دی ہے۔بعض مواقع پر تو سماجی حالات کے ذکر میں،ان پر بے لاگ تبصرے بھی کیے گئے ہیں۔اِن تبصروں کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں انسانوں سے محبت کا درس نمایاں دکھائی دیتا ہے۔اس سفر کی بنیادی وجہ تو تبلیغِ دین ہے اور سفر کی روداد بیان کرنے کا مقصد مریدین اور عقیدت مندوں کی تربیت ہے کہ سفر میں انسان کو کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ان دشواریوں سے کس طرح نبرد آزما ہُوا جاسکتا ہے۔سفر کا ایک اہم نکتہ صبر بھی ہے،جس کی خانقاہی تربیت میں بہت اہمیت ہے۔

سفر نامے میں سماجی حالات کے بیان کا اندازہ سفر کی ابتدا ہی سے ہوجاتا ہے۔جب وہ اٹاری سے بدایوں کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔لکھتے ہیں کہ اٹاری سے دہلی کے لیے گاڑی کا روانگی کا وقت نو بجے شب اس لیے رکھا گیا تھا کہ مشرقی پنجاب کا علاقہ انتہائی خطرناک ہے اور وہاں تخریب کاری کی جاتی ہے۔اِسی خوف سے دہلی تک گاڑی کا کوئی اسٹاپ بھی نہیں رکھا گیا ہے۔دہلی کے حالات کے ذکر میں یہ دل چسپ معلومات فراہم کی ہے کہ وہاں فروٹ کھانے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔مسلمانوں کے ہوٹلوں کے نام عموماً بسم اللہ ہوٹل،الحمداللہ ہوٹل،مدینہ ہوٹل،مکّہ ہوٹل وغیرہ ہیں۔اِن ہوٹلوں میں اجنبی مسافروں سے زیادہ بل لیا جاتا ہے۔خود سفر نگار اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ بھی یہی رویّہ رکھا گیا۔ان سے بھی پچاس یا ساٹھ کی بجائے ایک سو پینتیس روپے وصول کیے گئے۔ آخری الذّکر تبصرے سے پتا چلتا ہے کہ مقصود الٰہی نے تعصّب سے بالاتر ہوکر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

سماجی معاملات کے ساتھ وہاں کے طرزِ حکمرانی پر بھی سفر نگار نے خیالات کا اظہار کیا ہے۔لکھتے ہیں کہ بیش تر ٹرانسپورٹ حکومت ہی کے ماتحت ہے حتّا کہ مال برداری کے ٹرک بھی حکومت ہی کے تحت چلتے ہیں،قوانین پر عمل داری اس قدر سخت ہے کہ نجی گاڑی میں مسافروں کو نہیں لے جایا جاسکتا۔اس تجربے سے خود سفر نگار اور اُن کے ہم سفر دوچار ہوئے۔جب وہ مجبوراً ایک نجی گاڑی میں بدایوں جانے لگے تو گاڑی کے مالک نے اُن سے کہا کہ اگر کوئی پولس والا پوچھے تو یہ بتانا کہ گاڑی والا ہمارا دوست ہے اور ہمیں مفت میں دوسرے شہر لے کر جارہا ہے۔ڈرائیور کے ردِّعمل سے پتا چلتا ہے کہ حکومت کے اس طرح کے برتاؤ سے عوام نالاں ہے۔یہ تبلیغی دورہ تھا۔اس لیے سفر نگار نے ڈرائیور کو بھی غیر مسلم ہونے کے باوجود سکون کے لیے ایک ذکر عطا کیا۔جسے اُس نے بخوشی قبول کیا،اِس عمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف انسانیت کے مذہب پر یقین رکھتے ہیں۔صوفیائے کرام کی اس صفت کی وجہ سے تمام مذاہب کے ماننے والے اِن سے محبت کرتے ہیں۔بدایوں کے تذکرے میں،وہاں کی چند خاص باتوں کا ذکر کیا۔ایک تو وہاں بندروں

کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ، وہاں کے مسلمانوں کی معاشی حالت بہت ابتر ہے لیکن ان میں اسلام سے محبت کا جذبہ بہت پایا جاتا ہے۔ ۵۵ بنگلور کے بارے میں سفرنگار نے لکھا ہے کہ یہاں بہت ہریالی اور ناریل کے درخت ہیں، یہ گرین سٹی کے نام سے مشہور ہے۔ ۵۶

سفرنامہ ''سفرنامۂ ہندو پاکستان'' جہاں مختلف شہروں کے حالات سے آگہی دیتا ہے، وہاں سفرنگار پروفیسر مقصود الٰہی نقشبندی کی سیرت، طبیعت، نقطۂ نظر اور افکار کا بھی پتا دیتا ہے۔ سفرنامے میں بیان کردہ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ اس لیے وہ کسی کے گھر میں رہنے کے مقابلے میں ہوٹل میں رہائش کو ترجیح دیتے ہیں۔ انھیں مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا دکھ بہت تھا۔ سفرنگار صرف ذکر اور ظاہری عبادت ہی کو زندگی کا مقصود نہیں سمجھتے، بلکہ اُن میں عملی جہاد کا جذبہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ ان کے ایک قریبی رفیق نے بتایا کہ آپ نے محاذ جنگ پر عملی طور پر حصّہ لیا۔ اس کا اندازہ سفرنامے میں بیان کردہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ جب وہ ٹیپو سلطان شہید کے مزار پر جانے کا پروگرام بناتے ہیں اور مزار پر حاضری دیتے ہیں تو اس وقت اُن کے تاثرات بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ شیر مزار سے باہر آ کر انگریزوں کو للکار کر کہے گا، ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' پھر اُس مسجد میں بھی گئے، جو ٹیپو سلطان نے بنوائی تھی۔ ۵۷ ٹیپو سلطان سے سفرنگار کی عقیدت مندی اس بات کی دلیل ہے، وہ ان کے ہیرو ہیں، جس نے باطل قوّت کے آگے سر جھکانے کے مقابلے میں جان دینے کو ترجیح دی۔

سفرنامے کا اندازِ بیان روانی لیے ہوئے ہے۔ جس میں روزمرّہ زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسلوب میں علمی اور ادبی رنگ پھیکا سا محسوس ہوتا ہے۔ اس کے باوجود سفرنامے میں دل چسپی کا عنصر برقرار رہتا ہے۔ مثلاً:

> ''ٹرین میں عاجز کے سامنے ایک بڑے صنعت کار کی برتھ تھی، ان سے ملاقات ہوئی، وہ جین مذہب کے پیروکار تھے۔ اس مذہب میں جان دار چیزوں کو تکلیف دینا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے، اس لیے وہ جان دار وغیرہ کا گوشت بالکل استعمال نہیں کرتے۔ اس پر انھوں نے یہ دلیل دی اگر ہمیں کوئی کھائے تو بتائیں ہمیں کتنی تکلیف ہوگی، اس طرح یہ سب مخلوق بھگوان کو بہت پیاری ہے، اس لیے وہ نہیں چاہتا کہ اس کی مخلوق جان وروں کو کھائے۔'' ۵۸

زیرِ بحث سفرنامے کو اسلامی روحانی مشن پاکستان کراچی نے پہلی مرتبہ ستمبر ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔

(۷)

حبیب الرحمٰن گبول طاہری نقش بندی کا شمار خانقاہ اللہ آباد شریف کنڈیارو کے اُن بزرگوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے اس خانقاہ کو علمی و تحریری خدمات کی طرف گامزن کیا۔ اس سفرنامے سے قبل اُن کی تحفۂ حبیب، راہِ حقیقت، ذکر الرحمٰن، خطبات عالیہ غفاریہ، اور ''سیرتِ ولیٔ کامل'' دو حصّوں میں شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکی ہیں، آخری الذکر خواجہ اللہ بخش عباسی نقشبندی مجددی غفاری المعروف سوہنا سائیں کی مفصل سوانح ہے۔ ان کی کتاب ''سفرِ عقیدت'' باب الاسلام سے باب السلام تک حج کا سفرنامہ ہے۔

> ''اس سفرنامے میں مصنف نے مختلف مقاماتِ مقدسہ پر پیش آنے والی اپنی کیفیات اور احساسات کو بیان کیا

ہے، ساتھ اس مقامات کی اہمیت اور ادب سے آگہی دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس مقام سے متعلق شرعی پہلوؤں کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ سفرنگار نے تقدیم میں بھی لکھا ہے کہ ''عاجز نے حتی الوسع یہ کوشش کی ہے کہ سفرِ حج وعمرہ سے متعلق مفید معلومات، نیز فقہ حنفی کے مطابق احکام ومسائل ترتیب سے یک جا کر کے تمام برادرانِ اسلام بالخصوص ان خوش نصیب حضرات کے لیے عام فہم انداز میں ہدیہ کریں جو پہلی بار حج یا عمرے کی صورت میں حرمین شریفین کی زیارت کرنے جارہے ہیں۔''۵۹

اس سفرنامے کا جامع تعارف درج ذیل آرا سے ہوسکتا ہے۔

بقول محمد اقبال طاہری ''حقیقت میں ایک دلِ بے قرار کا حالِ زار ہے، جس کو سفرنگار نے مشاہدات وتاثرات کی زبان دیتے ہوئے سطروں میں مستور کر دیا ہے۔''۶۰ اس سفرنامے کے بارے میں محمد جمیل عباسی طاہری کی رائے بھی خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

''یہ سفرنامہ پڑھتے ہوئے جہاں عشاق کو ایک تسکین قلبی حاصل ہوتی ہے، وہاں ان کی محبت اور عشق میں بھی مزید اضافہ ہوتا ہے اور یہ عشق ومحبت ایک ایسا جذبہ ہے جو بندے کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک کر دیتا ہے اور یہی مقصدِ حیات ہے، جس کو حاصل کرنے کے لیے انسان کو عدم سے وجود میں لایا گیا ہے۔''۶۱

فقیر محمد ادریس ڈاہری کی یہ رائے بھی دیکھیے :

''آپ دورانِ حج وعمرہ جن جن مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوئے، اس کتاب میں ان مقدّس مقامات کے فضائل وبرکات کا ذکرِ خیر نہایت عاشقانہ انداز میں کیا ہے، ساتھ ہی وہاں سے متعلق احکام ومسائل اور تاریخی حقائق تحریر کر کے کتابی صورت میں باب الاسلام سے باب السلام کے نام سے شائع کرا رہے ہیں۔''۶۲

حبیب الرحمٰن گبول نقشبندی نے حرمین شریفین کے دو سفر کیے۔ پہلا سفر ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء میں اپنے مرشد خواجہ سجن سائیں اور سلسلے کے چند علمائے کرام کے ساتھ تھا۔ اس سفر کی روداد انھوں نے اپنے روزنامچے میں محفوظ کر لی۔ اس سفر کے چار سال بعد ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء میں حجِ اکبری کی سعادت حاصل کی اور جو کچھ دیکھا محسوس کیا اُسے قرطاس پر رقم کرتے رہے اور جماعت اصلاح المسلمین کے سہ ماہی رسالے ''الطاہر'' میں قسط وار شائع کرتے رہے، اس وقت سفرنگار ہی رسالے کے مدیر تھے، جسے قارئین ذوق وشوق سے مطالعہ کرتے تھے۔ سفرنامے کی غیر معمولی پذیرائی دیکھ کر احباب نے اسے کتابی صورت میں شائع کرنے پر اصرار کیا تو سفرنگار نے ترمیم واضافے کے بعد اس کی اشاعت کی حامی بھر لی۔ یوں یہ سفرنامہ اشاعت پذیر ہوا۔ اندازِ تحریر کی مثال دیکھیے :

''ادب ونرمی سے حجرِ اسود پر ہونٹ رکھ کر بوسہ دینا ہے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دینا بھی سنت ہے، لیکن ہجوم کے وقت دوسروں کو تکلیف دینے سے بچتے ہوئے، حسبِ ضرورت فاصلہ پر حجرِ اسود کے بالکل سامنے استلام کا اشارہ کرنا چاہیے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے انداز میں دونوں ہاتھ اوپر اُٹھالیں، لیکن کسی قدر دونوں ہاتھ نیچے ہوں (کہ حجرِ اسود کندھوں سے کافی نیچے کی سطح پر نسب ہے۔) ہاتھوں کی پشت اپنی طرف اور ہتھیلی حجرِ اسود کی طرف ہو، قدرے ہاتھوں کو آگے بڑھانے کے بعد بوسہ دے کر طواف شروع کریں۔''۶۳

کتاب پر سنہ اشاعت نہیں دیا گیا ہے مگر اس میں شامل فقیر محمد ادریس ڈاہری کی تحریریں ۱۳، شعبان ۱۴۲۹ھ/۱۶، اگست ۲۰۰۸ء کی ہیں۔ جب کہ یہ سفرنامہ سوہنا سائیں کے عرس کے موقع پر شائع ہوا، جو ربیع الاوّل میں ہوتا ہے یعنی یہ ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ/فروری ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ فضلیہ دارالاشاعت لاہور نے اسے شائع کیا۔

مشائخ کی زندگی کا بنیادی مقصد تو معرفتِ الٰہی اور رضاے الٰہی ہوتا ہے۔ اس کے حصول کی خاطر احکامِ الٰہی اور اتباعِ رسولؐ میں سفر بھی کرتے ہیں، اللہ کی قدرت کے نظارے بھی کرتے ہیں اور ان سے نصیحت و عبرت بھی حاصل کرتے ہیں۔ پھر انھیں اسفار کو لوگوں کے فائدے کے لیے قرطاس پر نقش بھی کر دیتے ہیں۔ سلسلہ نقشبند سے وابستہ افراد کے مذکورہ بالا سفرنامے خانقاہی ادب کا اہم سرمایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مذہبی، اخلاقی، سماجی، علمی اور ادبی لحاظ سے نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔۔

حواشی:

۱ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ''اصنافِ ادب''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۸۸۔

۲ رپورتاژ، محمد حسن عسکری، بحوالہ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز: ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، طبع دوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۸۵۔

۳ ابنِ بطوطہ: ''سفرنامہ ابنِ بطوطہ''، طبع اوّل، مترجم رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۱ء ص ۱۔

۴ ایضاً، ص ۱۔

۵ مولانا محمد اسحاق جان سرہندی، ''سفرِ نامہ ایران''، اشاعت اوّل، قصر دل کشا، میر پور خاص، ۱۹۶۰ء، ص ۳۱۔

۶ ایضاً، ص ۳۲۔ ۷ ایضاً، ص ۳۶۔ ۸ ایضاً، ص ۱۶۔

۹ ایضاً، ص ۱۰۔

۱۰ مولانا محمد اسحاق جان سرہندی، ''مجموعہ منازل''، اشاعت اوّل، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۴ء، ص ۳۔

۱۱ ایضاً، ص ۴۔ ۱۲ ایضاً، ص ۳۹۔ ۱۳ ایضاً، ص ۴۶۔

۱۴ ایضاً، ص ۴۸۔ ۱۵ ایضاً، ص ۹۔ ۱۶ ایضاً، ص ۴۱۔

۱۷ ایضاً، ص ۴۳۔ ۱۸ ایضاً، ص ۹۵۔ ۱۹ ایضاً، ص ۶۰۔

۲۰ ایضاً، ص ۶۳۔ ۲۱ ایضاً، ص ۹۴۔ ۲۲ ایضاً، ص ۱۰۸۔

۲۳ ایضاً، ص ۱۸۸۔ ۲۴ ایضاً، ص ۲۷، ۲۹، ۳۴، ۳۵، ۳۷، ۵۱ وغیرہ۔ ۲۵ ایضاً، ص ۴۰، ۶۸، ۶۹۔

۲۶ ایضاً، ص ۸۷۔

۲۷ پروفیسر ڈاکٹر مقصود الٰہی نقش بندی، ''زیارتِ حرمین شریفین''، بار سوم، اسلامی روحانی مشن پاکستان، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۵۔

۲۸ ایضاً، ص ۲۲۔ ۲۹ ایضاً، ص ۶۹۔ ۳۰ ایضاً، ص ۲۴۔

۳۱ ایضاً، ص ۳۶۔ ۳۲ ایضاً، ص ۵۴۔ ۳۳ ایضاً، ص ۲۲۔

۳۴ ایضاً، ص ۴۳۔ ۳۵ ایضاً، ص ۵۔

۳۶ ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان، ڈاکٹر سراج احمد خان، ڈاکٹر حافظ منیر احمد خان، ''سفر نامے''، گابا ایجوکیشنل بکس، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۵۔

۳۷ ایضاً، ص ۵۔ ۳۸ ایضاً، ص ۸۔ ۳۹ ایضاً، ص ۹۔

۴۰ ایضاً، ص ۲۱۔ ۴۱ ایضاً، ص ۶۱۔ ۴۲ ایضاً، ص ۶۴۔

۴۳ محمد مظہر بقا، ''یادگار سفر''، بقا پرنٹرز اینڈ پبلی شرز، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۹۔

۴۴ ایضاً، ص ۷۔ ۴۵ ایضاً، ص ۷۔ ۴۶ ایضاً، ص ۷۔

۴۷ ایضاً، ص ۲۴۔ ۴۸ ایضاً، ص ۲۶۔ ۴۹ ایضاً، ص ۴۹۔

۵۰ ایضاً، ص ۶۷۔

۵۱ صاحب زادہ انعام الرحمٰن چشتی قادری، ''ہمہ قرآن در شانِ صاحب القرآن''، مکتبہ درگاہ شریف باب ظفر، حسین آباد، حیدر آباد، ۲۰۰۴ء، ص ن د۔

۵۲ ایضاً، ص ۱۰۳۔ ۵۳ ایضاً، ص ۳۶۔ ۵۴ ایضاً، ص ۴۲۔

۵۵ ڈاکٹر پروفیسر مقصود الٰہی نقش بندی، ''سفر نامۂ ہندو پاکستان''، اشاعتِ اوّل، اسلامی روحانی مشن پاکستان، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۶۔

۵۶ ایضاً، ص ۱۱۔

۵۷ ایضاً، ص ۱۲۔

۵۸ ایضاً، ص ۲۴۔

۵۹ نقش بندی حبیب الرحمٰن گبول طاہری، ''سفرِ عقیدت''، ضلیہ دارالاشاعت، لاہور، س ن، ص ۲۰۔

۶۰ ایضاً، ص ۳، ۴۔

۶۱ ایضاً، ص ۱۱۔

۶۲ ایضاً، ص ۱۳۔

۶۳ ایضاً، ص ۴۵۔

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:

۱۔ ابنِ بطوطہ: ۱۹۶۱ء، ''سفر نامہ ابنِ بطوطہ''، طبع اوّل، مترجم رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی۔

۲۔ بقا، مظہر، محمد: ۱۹۹۹ء، ''یادگار سفر''، بقا پرنٹرز اینڈ پبلی شرز، کراچی۔

۳۔ خان، غلام مصطفٰی، ڈاکٹر۔ خان، احمد، سراج، ڈاکٹر۔ خان، احمد، منیر، حافظ، ڈاکٹر: ۱۹۹۷ء، ''سفر نامے''، گابا ایجوکیشنل بکس، کراچی۔

۴۔ سرہندی، جان، اسحاق، محمد، مولانا: ۱۹۶۰ء، ''سفر نامہ ایران''، اشاعت اوّل، قصر دل کشا، میر پور خاص۔

۵۔ _____: ۱۹۷۴ء، ''مجموعہ منازل''، اشاعت اوّل، اردو اکیڈمی، کراچی۔

۶۔ صدیقی، حفیظ، ابوالاعجاز: ۱۹۸۵ء، ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، طبع دوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۷۔ طاہری، گبول، حبیب الرحمٰن نقشبندی: س ن، ''سفرِ عقیدت''، ضلیہ دارالاشاعت، لاہور۔
۸۔ قادری، چشتی، انعام الرحمٰن، صاحب زادہ: ۲۰۰۴ء، ''ہمہ قرآن در شانِ صاحب القرآن''، مکتبہ درگاہ شریف بابِ ظفر، حسین آباد، حیدر آباد۔
۹۔ نقش بندی، مقصود الٰہی، ڈاکٹر، پروفیسر: ۲۰۰۲ء، ''زیارتِ حرمین شریفین''، بارسوم، اسلامی روحانی مشن پاکستان۔
۱۰۔ _____: ۲۰۰۳ء، ''سفرنامۂ ہندو پاکستان''، اشاعتِ اوّل، اسلامی روحانی مشن پاکستان، کراچی۔
۱۱۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر: ۲۰۰۸ء، ''اصنافِ ادب''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔